ایک درس مکتب اسلام سے

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب طاب ثراہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

نبوت

اصول اسلام میں ایک اصل نبوت ہے اس کا تسلیم کرنا بھی ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی اور انہیں دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی حاصل کرنے کا راستہ بتانے کے لئے اپنی طرف سے کچھ لوگوں کو مقرر کیا جو اگرچہ انسان تھے مگر اپنے نفس کی پاکیزگی اور روح کی بلندی کی بنا پر اس کی صلاحیت رکھتے تھے کہ اللہ کے احکام حاصل کرسکیں، اس کے منشاء ومرضی کو سمجھ کر دوسروں تک پہنچاسکیں۔ ان کے کردار وعمل کی مضبوطی پر اللہ کو اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے خلاف منشاء کوئی بات نہیں کریں گے۔ اللہ کی توفیق ان کے شامل حال ہوکر ان کو بھول چوک سے بچاتی ہے۔ اسی ملکہ کا نام عصمت ہے عصمت کی ضرورت اس لئے ہے کہ لوگوں کو ان کی بات پر پورا اعتماد اور ان کے پیغام پر مکمل بھروسہ ہو۔ امت والے ان کے بتائے ہوئے راستے اور کہی ہوئی باتوں پر آنکھیں بند کرکے اطمینان نفس کے ساتھ عمل کرسکیں۔ اللہ نے اس طرح کے بندوں کو ہر ملک وقوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جن میں سے کچھ مشہور انبیاء اور مرسلین کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

سلسلہ انبیاء کی سب سے پہلی فرد حضرت آدمؑ اور آخری پیغمبر جن پر سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا تھا۔ ہمارے رسول جناب محمد مصطفیٰؐ ہیں جن کے بعد نہ کوئی شریعت آئے گی اور نہ کوئی نبی مبعوث ہوگا۔ ختم نبوت کا اقرار بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ جن کو تواتر معنوی حاصل ہے ان سے ہمارے رسولؐ پر نبوت کا ختم ہوجانا ثابت اور متیقن ہے لہٰذا ختم نبوت کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

جن انبیاء کا نام قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں مذکور ہے ان پر تفصیلی طور پر اور جن کا تفصیلی ذکر نہیں ملتا ان پر اجمالاً ایمان لانا چاہئے (یعنی ہم ان تمام انبیاء کو مانتے ہیں جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں چاہے وہ جو بھی ہوں) قرآن مجید نے اس کی تصریح کردی ہے کہ کچھ انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے اور کچھ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء کی ۱۶۴ ویں آیت میں ارشاد ہورہا ہے : **قل قصصناهم علیک من قبل ورسلا لم نقصصهم علیک** (کچھ پیغمبر ایسے ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا ہے)

مشہور یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے فرستادہ انبیاء کی

تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔قرآن مجید اور اسلام کی نظر میں انسانوں کی ہدایت اتنی اہم اور ضروری ہے کہ جس فرد سے دنیا میں نسل انسانی چلی یعنی جناب آدمؑ کو اللہ نے اپنا نبی اور خلیفہ بنایا تا کہ کوئی ایک فرد بھی یہ نہ کہہ سکے کہ میرے لئے کوئی رہنما نہ تھا۔

نبی کی ضرورت

قرآن مجید سلسلہ انبیاء اور مرسلین قائم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے''لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط'' ہم نے اپنے رسولوں کو ان کی (سچائی کی) کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان عمل اتاری تا کہ نسل انسانی عدل و انصاف کے ذریعہ بقا اور مضبوطی حاصل کرے۔اس آیت سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بغیر تعلیمات الٰہی کے صحیح معنوں میں انصاف ممکن نہیں اور انصاف کے بغیر انسانیت کی بنیادیں مستحکم نہیں ہوسکتیں۔ انصاف کے معنی ہیں ہر ایک کو اس کا حق ملنا۔فرد کو وہ حقوق حاصل ہوں جو اس کے لئے ضروری ہیں۔معاشرہ کو وہ حقوق ملیں جس کا وہ حق دار ہے۔انسان اپنے نفس کے ساتھ وہ برتاؤ کرے کہ نفس پر ظلم نہ ہونے پائے۔جسم اور روح دونوں کے ساتھ انصاف کیا جا سکے۔عدل کے مقابلے ظلم ہے۔ظلم کے معنی ہیں بے جا بات،تو عدل کا مطلب ہوا با محل اور با موقع کام۔ہم کبھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کوئی عمل بے محل ہے یا با محل جب تک متعلق عمل کی منزل متعین نہ ہو جائے ۔مثلاً ایک شخص اگر ہماری محفل میں آئے تو جب تک ہم اس کے مرتبے سے واقف نہ ہوں یہ فیصلہ ممکن نہیں کہ اس کا استقبال و تعظیم کس طرح ممکن ہے اور اسے کس جگہ بٹھانا چاہئے۔لیکن انسان کا علم اتنا محدود ہے کہ وہ خود اپنے نفس ہی کے متعلق فیصلہ نہیں کر سکا کہ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں ۔ہمارا نفس ہی اتنا تہہ در تہہ ہے کہ آج تک ہم اس کو نہ پہچان سکے۔انسانیت کے ہر عمل بلکہ نیت اور ارادے سے بھی اس کا نفس متاثر ہوتا ہے۔یہ اثرات کبھی شعور کی سطح پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی لاشعور کے پردے میں چھپے رہتے ہیں جو ظاہر ہونے کے لئے موقع اور محل کے منتظر رہتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے کس عمل یا کس نیت کا اثر شعور یا لاشعور پر کیا مرتب ہوگا۔

یہی نہیں ہم ایک گھر کے رہنے والے بھی ہیں، ایک خاندان کی فرد بھی ہیں، ایک ملک میں بستے ہیں، کسی نہ کسی قوم میں داخل ہیں اور پوری نوع انسانی کا ایک جزء ہیں۔ہمارے ہر عمل کا ارتباط ان سب سے بھی ہے جس طرح ایک چھوٹی سی کنکری جب تالاب میں پڑتی ہے تو اس کی لہریں دور دور تک جاتی ہیں۔اسی طرح ہمارا عمل بھی ہمارے گھر، خاندان اور ہمارے معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ میں نے پہلے ہی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہم اپنے نفس ہی کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو ہم کیسے یہ بات طے کر سکتے ہیں کہ ہمارا رابطہ گھر والوں، خاندان والوں،قوم والوں اور نوع انسانی کے ساتھ کیا ہو اور ان کے کیا حقوق ہم پر عاید ہوتے ہیں۔جب دنیاوی زندگی کے لئے فیصلہ کرنے کا بوجھ تنہا ہماری عقل برداشت نہیں کر سکتی تو وہ کیسے یہ بات

سمجھ سکتی ہے کہ آخرت کی باقی زندگی کے لئے کیا عمل انجام دیا جائے، جذبات اور خواہشات تصور، عقل، جانب داریوں، پاس داریوں اور تعلقات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ذہن ماحول اور عادت کے دباؤ میں کچلی ہوئی قوت فیصلہ، محدود علم کے سہارے جو قرآن کی لفظوں میں **ما او تیتم من العلم الا قلیلا** کا مصداق ہے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا اس کے بس سے باہر ہے لہٰذا قانون وہ بنائے جو علی کل شی محیط ہو، جو لطیف و خبیر ہو، جس کا علم ظاہر و باطن پر حاوی ہو جس سے کوئی باریک سے باریک چیز بھی پوشیدہ نہ ہو اور یہ ذات اللہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی لہٰذا اسلام وضع قانون کا حق صرف اللہ کا سمجھتا ہے چونکہ کائنات کا پیدا کرنے والا صرف خلاق عالمین ہی نہیں رب العالمین بھی ہے یعنی جس نے پیدا کیا ہے وہی اس کے نظام کو چلا بھی رہا ہے۔ چلانے کا مطلب یہ نہیں کہ کائنات بغیر معینہ راہ کے لڑھکتی چلی جارہی ہے۔ تمام فلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مادے کی رفتار کا رخ ترقی کی طرف ہے، پست منزل کو چھوڑ کر بلند منزل کی طرف گامزن ہے۔ چھوڑی ہوئی منزل کی طرف پلٹ کر نہیں آتا۔ مادیت پرست جس کو مادے کا فطری رجحان کہتے ہیں ہم مذہب والے اسی کو اس اللہ کی ربوبیت کی دلیل مانتے ہیں۔

ربوبیت اور نبوت

ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ہر موجود میں منزل کمال تک پہنچنے کی صلاحیت دی ہے۔ ہر شئے اپنے کمال کی طالب ہے ''سورۂ اعلیٰ'' میں ارشاد خداوندی ہے: **الذی خلق فسویٰ و الذی قدر فھدیٰ**۔ اللہ ہی وہ ہے جس نے ہر شئی کو بالکل ٹھیک ٹھاک بنایا۔ ہر چیز کی (منزل کمال) معین کی اور (فطری طور پر اس کی طرف) ہدایت کی۔ ''سورۂ طٰہٰ'' کی باونویں آیت ہے: **قال ربنا الذی اعطی کل شی خلقه ثم ھدیٰ**۔ (جناب موسیٰ نے کہا) میرا رب وہ ہے جس نے ہر شی کو اس کی (مناسبت سے) خلقت عطا فرمائی پھر اس کی (فطرت کو) ہدایت بھی کر دی۔ ہر شی میں کمال کی صلاحیت عطا کرنا اور اس کمال کے حصول کے لئے فطری میلان بیکار تھا۔ اگر وہ اسباب اور ماحول مہیا نہ ہوتا جس کے بغیر منزل کمال تک پہنچنا ممکن تھا۔ بطور مثال ایک گٹھلی میں صلاحیت ہے کہ وہ درخت بن کر پھلے پھولے مگر کب جب مناسب زمین ہو، پانی کی تری پہنچے، آفتاب کی شعاعیں معتدل گرمی پہنچائیں، فضا میں ہائیڈروجن ہو جو سرمایۂ حیات مہیا کرے۔ اللہ نے ان سب چیزوں کا انتظام کر دیا۔ اللہ کائنات کا رب ہے تو کیا انسانوں کا رب نہیں ہے۔ اگر انسانوں کا بھی رب ہے اور یقیناً ہے تو کیا وہ اس میں چھپی ہوئی غیر محدود صلاحیتوں کی تکمیل اور اس کے اندر سوئی ہوئی لامتناہی طاقتوں کی بیداری کا انتظام نہیں فرمائے گا۔ انسان کا پاؤں ٹکانے کے لئے زمین کا فرش ہے، پیاس بجھانے کے لئے پانی کا انتظام ہے، غذا کے لئے پرثمر درخت، لہلہاتے کھیت، ذوق شکار کی تسکین کے لئے حیوانات،

سانس لینے کے لئے ہوائیں ۔غرض جسم کی تکمیل کے لئے جو چیزیں بھی ضروری تھیں سب اللہ نے مہیا کیا لیکن انسان صرف جسم کا نام نہیں ۔ ہر جسم میں چھپی ہوئی روح بھی ہے ۔ اس کے بھی کچھ تقاضے ہیں، اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں ۔ روح کا تقاضا ہے بلندیٔ اخلاق وکردار ۔ روح کی غذا ہے علم، ایثار وقربانی اس کی تسکین کا ذریعہ ہے ۔جسم غذا حاصل کر کے نشوونما پاتا ہے اور روح دوسروں کو کھلا کر شاد ہوتی ہے۔حسن وجمال کی طرف میلان، کمال کی طرف جھکاؤ یہ سب روحانی تقاضے ہیں ۔جب رب الارباب نے انسان کی تکمیل وتربیت کا انتظام فرمایا تو ضرورت تھی کہ روح کی صلاحیتوں اور نفس کو منزل کمال تک پہنچانے کا انتظام کرے، اور اسی مقصد سے خداوند عالم نے انبیاء کو مبعوث فرمایا، کتابیں اتاریں اور شریعتیں بھیجیں ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب انسان کا علم بہت محدود تھا اپنے اچھے برے کو پہچاننے کی قوت نہ رکھتا تھا ۔نیک وبد کی تمیز نہ تھی ۔ اوہام کی دنیا میں رہتا تھا، یعنی جب نوع انسانی دور طفولیت میں تھی ۔ اس وقت مذہب نے انسان کو بنانے سنوارنے میں اور نوع انسانی کو آگے بڑھانے میں بڑا اچھا رول ادا کیا تھا۔لیکن ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے ۔وہی چیز جو کسی خاص دور اور حالات میں مفید ہوتی ہے حالات کے بدلنے کے بعد مضر ہوسکتی ہے ۔ اب دور بہت کچھ بدل چکا ہے، زمانہ آگے بڑھ گیا ہے، اب انسان کی معلومات وسیع ہوچکی ہیں اب وہ زمین کو مرکز عالم نہیں کائنات کی ایک معمولی کہکشاں کے ایک چھوٹے سے آفتاب کے گرد چکر لگانے والا بہت ہی مختصر تابع سیارہ سمجھتا ہے ۔ اس کا سفر اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ چند سو میل ہوتا تھا اب خلاؤں کا مسافر ہے ۔ اب وہ چاند کو دیوتا نہیں سمجھتا اس کے قدم چاند کی سرزمین کو روند چکے ہیں ۔لہٰذا اس ترقی یافتہ دور میں مذہب کمال کی طرف لے جانے کے بجائے انسان کو رجعت پرست بناتا ہے ، اس کی ترقیوں میں رکاوٹ ہی نہیں پچھلے پیروں گذشتہ دور کی طرف لوٹانے کا سبب بنتا ہے ۔ بظاہر تو یہ بات دل کو لگتی ہے لیکن جب پوری توجہ کی جائے تو ہر منصف مزاج یہی فیصلہ کرے گا کہ جس طرح ہزاروں برس پہلے دین کی ضرورت تھی ، نبوت کی رہنمائی آج بھی ضروری ہے ۔اگر انبیاء ڈاکٹر بنانے، سائنس داں بنانے اور انجینیئر بنانے کے لئے بھیجے گئے ہوتے تو ان کی تعلیمات کی ضرورت نہ رہتی ۔لیکن وہ اخلاق سکھانے، کردار بنانے، نفس کی ترقی اور روح کی تکمیل کے لئے آتے رہے ہیں ۔ آج جبکہ نئی نئی ایجادوں، مادیت کی ترقی اور مصنوعی روشنی نے اس کی آنکھوں میں ایسی چکاچوند پیدا کر دی ہے کہ اب روح کی طلب اور نفس کے تقاضوں سے بالکل غافل ہوگیا ہے، اخلاق کی پستی میں روز بروز اضافہ ہے، مہلک سے مہلک تر ہتھیاروں کی ایجاد، دوسروں پر تفوق وبرتری کے جذبے دنیا بھر کی دولت پر قبضہ کرنے کی ہوس،

قوموں کو غلام بنانے، ممالک پر تسلط حاصل کرنے کی دوڑ نے اس کو اندھا بنادیا ہے۔ ان حالات میں مذہب کی تعلیمات اور دین کی طرف دعوت کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ مذہب اور صرف مذہب ہے جو ہلاکت کے بھنور کی طرف تیزی سے بڑھتی ہوئی کشتیٔ انسانیت کو بچا کر نجات کے ساحل تک پہنچا سکتا ہے۔ دین اور صرف دین تنہا اللہ کا خوف ہے جو اس کو تباہی پھیلانے والے مہلک ہتھیاروں کے بے جا استعمال سے روک سکتا ہے۔ اگر مذہب رکاوٹ نہیں رہے تو ناگاساکی اور ہیروشیمہ کی طرح نہ معلوم کتنے اور ایٹم اور ہیڈروجن بموں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ نہ معلوم اور کتنے ویت نام سامراجی حکومتوں کا نشانہ بنیں گے۔ لبنانی اسرائیلی ہتھیاروں اور افغانستان روس کی تباہ کاریوں کا شکار ہوتا رہے گا اور ہوسکتا ہے کبھی کوئی بپھرا ہوا سر پھرا ڈکٹیٹر کسی بہادر قوم کو ٹینکوں، راکٹوں اور توپوں کے سامنے سر نہ جھکاتے دیکھ کر اور عام ہتھیاروں میں اپنے کو کمزور پا کر یا شکست کے خطرے سے دوچار ہونے پر ایٹمی جنگ شروع کردے اور زمین بھاپ بن کر فضا میں منتشر ہوجائے۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ انسان مادی ذریعوں سے خلا پر فتح حاصل کرلے، دور ترین سیاروں سے رابطہ قائم کرلے لیکن اللہ کے ربط کے بغیر اپنے نفس پر فتح حاصل کرنا، جذبات کو قابو میں لانا، ایثار وقربانی اور انسانی ہمدردی کے جذبات پیدا ہونا ممکن نہیں۔ انسان ترقیوں کے ذریعہ خطرناک ترین درندہ بن سکتا ہے لیکن اشرف المخلوقات انسان نہیں بن سکتا۔

ایک پہلو سے اور بھی غور کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کے ہر عمل کا محرک اس کی اپنی ذات کا فائدہ ہوتا ہے۔ ہر کام میں اور ہر قدم اٹھاتے وقت یہ سوچتا ہے کہ مجھے کیا حاصل ہوگا۔ وہ کبھی دادِ شجاعت اس لئے دیتا ہے کہ اپنی بہادری کا سکہ جمائے۔ کبھی دولت اس لئے غریبوں میں تقسیم کرتا ہے کہ سخاوت کی شہرت ہو، مظلوموں کا پشت پناہ اس لئے بنتا ہے کہ لوگ عوام کا ہمدرد اور غمگسار سمجھیں۔ ایسے موقع پر جب بظاہر کوئی ذاتی فائدہ معلوم نہیں ہوتا لیکن گہرائی میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی ہی ذات مقصود نظر ہے۔ ایسے مواقع بھی آسکتے ہیں کہ اس کی ذات سے اس کے گھر والوں یا اس کے خاندان کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ بظاہر حالات صرف نقصان ہی نقصان دکھائی دیتا ہو۔ کوئی ستائش گر نہ ہو، کوئی ہمت افزائی کرنے والا نہ ہو۔ ایسے وقت اچھائی کا محرک اور نیکی کی طرف یہ تصور مائل کرسکتا ہے کہ کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ لیکن وہ دیکھ رہا ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے کوئی جزا نہ دے مگر وہ جزا دینے والا ہے جو آواز دے رہا ہے **وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدہ عند اللہ** جو کچھ اپنے لئے پہلے سے بھیج دوگے۔ اللہ کے پاس محفوظ ملے گا۔ ضرورت مذہب پر پہلے بھی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ دین کو زندگی سے ہٹادینے کا نتیجہ اس دنیا میں بھی نفس کی گتھیوں، اعصابی بیماریوں اور مختلف قسم کے ردعمل کی شکل میں ظاہر ہوکر مذہب کی ضرورت اور انبیاء کی تعلیمات پر عمل کرنے کو ضروری اور فطرت کا مطالبہ قرار دیتا ہے۔

(جاری)